الفاظِ طلاق سے متعلقہ اصولوں کی تفہیم وتشریح

(دوسری قسط)

مفتی شعیب عالم صاحب

پہلا فائدہ

طلاق کا تعلق زبان سے ہے، جب تک زبان سے کوئی لفظ نہ نکلے، طلاق نہیں ہوتی ہے۔

لفظ ''اس آواز کو کہتے ہیں جو انسان کے منہ سے حروف کی صورت میں نکلتی ہے'':

''الصوت المشتمل علی بعض الحروف تحقیقًا أو تقدیرًا''۔(۱)

ترجمہ:... ''ایسی آواز جو حقیقی یا تقدیری طور پر کچھ حروف پر مشتمل ہو''۔

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ لفظ کی حقیقت اور اس کے بنیادی عناصر دو ہیں:

۱:...آواز ۲...حروف

منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکلیں، مگر حروف پیدا نہ ہوں تو وہ آواز تو ہے مگر لفظ نہیں ہے۔ فقہ میں اس کے لیے ''صوت لا هجاء له'' (آواز بلا حروف) کی تعبیر استعمال کی جاتی ہے۔ صرف ''آواز'' لفظ نہیں، اور لفظ نہ ہو تو طلاق نہیں ہوتی، اس لیے صرف آواز سے طلاق نہیں ہوتی:

''ورکنه لفظ مخصوص.....''۔(۲)

ترجمہ: ''طلاق کا رکن خاص لفظ ہے''۔

آواز اور حروف کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ وہ انسان کی زبان سے نکلیں، ورنہ بولنے کو تو جانور بھی بول لیتے ہیں، چڑیاں ''چوں چوں'' اور کوا ''کائیں کائیں'' کرتا ہے۔ نہ صرف بولتے ہیں، بلکہ پڑھاؤ تو پڑھتے بھی ہیں، مگر اسے لفظ کہتے ہیں، نہ زبان، کیوں کہ جانور معدودے چند الفاظ کے زیادہ نہیں بول سکتے، نہ ہی انسان کی طرح مسلسل گفتگو کر سکتے ہیں اور نہ ہر طرح کے ادائے مطالب پر قادر ہوتے ہیں، اس لیے جانور کی بولی کو ''لفظ'' نہیں کہتے ہیں۔

''لفظ'' کی اس مختصر وضاحت کے بعد طلاق کے ایسے بہت سے مسائل کا سمجھنا آسان ہے، جن کا تعلق لفظ کے ساتھ ہے، بطور نمونہ چند درج کیے جاتے ہیں:

مسئلہ:۱..... دل ہی دل میں طلاق دینے یا بار بار طلاق کا خیال آنے سے طلاق نہیں ہوتی ہے، اگر چہ خیال کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو، کیوں کہ طلاق کا تعلق ''لفظ'' کے ساتھ ہے اور ''لفظ'' کے لیے منہ سے آواز کا نکلنا اور حروف کا بننا شرط ہے۔ جو شخص دل ہی دل میں طلاق دیتا ہے وہ طلاق دیتا نہیں، بلکہ طلاق سوچتا ہے، جب کہ سوچنے سے طلاق نہیں ہوتی، بلکہ دینے سے واقع ہوتی ہے:

''فركن الطلاق هو اللفظ الذى جعل دلالةً على معنى الطلاق لغةً''۔ (۳)

ترجمہ: ''طلاق کا رکن ایسا لفظ ہے جو لغوی طور پر طلاق کے معنی پر دلالت کرتا ہو''۔

''.... لو أجرىٰ الطلاق على قلبه وحرك لسانه من غير تلفظ يسمع لا يقع وإن صحح الحروف''۔ (۴)

ترجمہ: ''اگر دل میں طلاق کا خیال لایا اور زبان اس طرح ہلائی کہ کوئی سننے کے قابل لفظ زبان سے نہیں نکلا تو طلاق واقع نہ ہوگی، اگر چہ حروف درست ادا کیے ہوں''۔

مسئلہ:۲..... طلاق کے لیے منہ سے آواز کا نکلنا شرط ہے، مگر اس آواز کی بھی حد مقرر ہے کہ وہ ایک خاص حد تک اونچی ہو، بہت پست اور نیچی نہ ہو، اس بارے میں کم از کم حد یہ ہے کہ آواز اتنی اونچی ہو کہ اُسے خود سن سکے، لہٰذا اگر ہونٹوں کو خفیف سی حرکت اور زبان کو معمولی سی جنبش ہوئی، مگر آواز نکلی ہی نہیں یا آواز تو نکلی مگر اس قابل نہ تھی کہ اسے خود سنائی دیتی تو طلاق واقع نہیں ہوگی، البتہ اگر آواز سنائی دینے کے قابل تھی مگر کسی سبب سے سن نہ سکا، مثلاً: ٹریفک کا شور تھا یا بادل گرج رہے تھے یا بارش برس رہی تھی یا لوگ اونچی آواز سے بول رہے تھے یا خود شوہر کانوں کا بھاری تھا اور اپنی آواز سن نہ سکا تو طلاق واقع ہو جائے گی:

''أدنى الجهر إسماع غيره، وأدنى المخافتة إسماع نفسه ومن بقربه.....ويجرى ذالك فى كل مايتعلق بنطق كتسمية على ذبيحة، ووجوب سجدة تلاوة وعتاق وطلاق واستثناء وغيرها، فلو طلق واستثنى ولم يسمع نفسه لم يصح فى الأصح''۔ (۵)

ترجمہ: ''جہر کی کم از کم حد یہ ہے کہ دوسرے کو سنا دے، اور اخفاء کی ادنیٰ مقدار یہ ہے کہ خود اور پاس والے کو سنا دے۔ یہ ضابطہ ہر ایسے مقام کے لیے ہے جس کا تعلق نطق سے ہے، جیسے ذبیحے پر تسمیہ، سجدۂ تلاوت کا وجوب،، طلاق وعتاق اور استثناء وغیرہ، لہٰذا اگر طلاق دی اور استثناء کیا اور خود کو سنائی نہ دیا تو اصح مذہب پر استثناء صحیح نہ ہوگا''۔

''.....لأن الحد الذى توجد فيه القراءة عنده خروج صوت يصل إلى اذنه أى ولو حكما كما لو كان هناك مانع من صمم أو حلبة أصوات أو نحو ذلك،وهذا معنى قوله :أدنى المخافتة إسماع نفسه''۔ (۶)

مسئلہ:۳...... پرندے کو تعلیم دی اور اس نے طلاق بول دی تو اس کے بولنے سے یا ریکارڈ شدہ آواز کے سننے سے یا اصل آواز کی بازگشت سننے سے بھی طلاق نہ ہوگی۔

مسئلہ:۴......شوہر کچھ کہے بغیر بیوی کو گھر سے نکال دیتا ہے یا غصے میں اُسے میکے چھوڑ آتا ہے یا اس کا سامان بھجوا دیتا ہے، مگر زبان سے کچھ نہیں کہتا تو طلاق واقع نہیں ہوتی، اسی طرح طویل عرصے تک میاں بیوی ایک دوسرے سے جدا رہیں تو بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

علاوہ ازیں کوئی فعل خواہ کتنا ہی قبیح کیوں نہ ہو اور کوئی حرکت کتنی ہی سنگین کیوں نہ ہو، اس سے طلاق واقع نہ ہوگی، مثلاً شوہر کے ارتداد سے نکاح فسخ ہوجاتا ہے، ساس کو شہوت سے ہاتھ لگانے سے بیوی حرام ہوجاتی ہے، مگر طلاق واقع نہیں ہوتی۔

یہ تمام مسائل اس ایک اصل پر مبنی ہیں کہ طلاق کا تعلق قول سے ہے، فعل اور عمل سے نہیں ہے۔

درج ذیل جزئیات کے پس پشت بھی یہی اصول کارفرما ہے کہ طلاق کا تعلق زبان کے فعل سے ہے:

''(قوله: وركنه لفظ مخصوص)... وبه ظهر أن من تشاجر مع زوجته، فأعطاها ثلاثة أحجار، ينوي الطلاق، ولم يذكر لفظا، لا صريحًا ولا كنايةً، لايقع عليه، كما أفتى به "الخير الرملي" وغيره، وكذا ما يفعله بعض سكان البوادي من أمرها بحلق شعرها لايقع به طلاق وإن نواه'' ۔ (۷)

ترجمہ:...''طلاق کا رکن خاص لفظ ہے...اس سے معلوم ہوا کہ جس کا اپنی زوجہ سے جھگڑا ہو اور اس نے اسے طلاق کی نیت سے تین پتھر دے دیے، جب کہ کوئی صریح یا کنائی لفظ زبان سے نہ کہا تو اسے طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ علامہ خیر رملی اور دوسروں نے اس کا فتویٰ دیا ہے، اسی طرح جو بعض دیہاتیوں کی عادت ہے کہ بیوی کو اُس کے سر کے بال مونڈ ھنے کا کہہ دیتے ہیں تو اس سے طلاق نہیں ہوتی، اگرچہ خاوند نے طلاق کی نیت کی ہو''۔

جس طرح ''لفظ'' ان حرفوں کو کہتے ہیں جو انسان کی زبان سے نکلیں، اسی طرح ان حرفوں کو بھی کہتے ہیں جو انسان کے قلم سے نکلیں، اس لیے تحریر سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، شرط یہ ہے کہ تحریر واضح ہو اور باضابطہ اور رسمی شکل میں ہو۔ الفاظ اور تحریر کی طرح گونگے بہرے کے جانے پہچانے اشارے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ فقہاء ان دونوں کو لفظ کے تحت ذکر کرتے ہیں، مگر ہم نے ان کے ذکر سے اجتناب کیا، کیوں کہ ہمارا مقصود صرف حقیقی لفظ ہے، جب کہ کتابت اور اشارے کو حکماً لفظ کہتے ہیں۔

''وأراد (بما) اللفظ أو مايقوم مقامه من الكتابة المستبينة أو الإشارة المفهومة. ''وفي الرد "وأراد اللفظ ولو حكما ليدخل الكتابة المستبينة، وإشارة الأخرس، والإشارة إلى العدد بالأصابع'' ۔ (۸)

اس فائدے کا حاصل یہ ہے کہ ''لفظ سے طلاق ہوتی ہے'' اور مقصد یہ ہے کہ نیت،

سوچ، فعل اور عمل سے طلاق نہیں ہوتی ہے، بلکہ طلاق کا تلفُّظ ضروری ہے۔ لفظ کا دائرہ چونکہ بہت وسیع ہے اور اس کے عموم میں ہر لفظ داخل ہے، اس لیے اگر لفظ کو اس کے عموم پر باقی رکھا جائے اور اس سے عموم اور اطلاق مراد لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ ہر لفظ سے طلاق ہو جاتی ہے، حالانکہ یہ تصور خلافِ حقیقت اور مخالفِ شریعت ہے۔ اس خلافِ واقعہ تصور کا ازالہ فائدہ ثانیہ میں کر دیا گیا ہے۔ اگلے فائدے میں قارئین ملاحظہ فرمائیں گے کہ لفظ کے دائرے کو تنگ اور اس کی وسعت کو محدود کر دیا گیا ہے۔ آمدہ فوائد میں یہ دائرہ تنگ سے تنگ تر ہوتا چلا جائے گا۔

دوسرا فائدہ

اس دوسرے فائدے میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ: ''لفظ سے طلاق ہوتی ہے، مگر ہر لفظ سے نہیں، بلکہ ایسے لفظ سے جو طلاق کے معنی پر دلالت کرتا ہو'':

''(ورکنه لفظ مخصوص) هو ما جعل دلالةً على معنى الطلاق من صريحٍ أو كنايةٍ''۔ (۹)

ترجمہ:..... ''طلاق کا رکن ایسا مخصوص لفظ ہے جو طلاق کے معنی پر دلالت کرتا ہو، چاہے صریح ہو یا کنایہ ہو''۔

اس لحاظ سے لفظ کی دو قسمیں ہیں:

۱:..... ایک وہ جس میں طلاق کا معنی پایا جاتا ہو۔

۲:..... دوسرا وہ جس میں طلاق کا معنی نہ پایا جاتا ہو۔

جس لفظ سے طلاق کا مطلب نہ نکلتا ہو، اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی، اگرچہ شوہر کی نیت اس سے طلاق دینے کی ہو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر مطلب اور مفہوم کے لیے کوئی نہ کوئی لفظ مقرر ہوتا ہے اور جب وہ لفظ بولا جاتا ہے تو سامع اگر اہلِ لسان ہو تو اس سے وہی مطلب سمجھتا ہے۔ اب اگر ہر لفظ، ہر مطلب اور مفہوم کے لیے استعمال ہونے لگے تو لغت ہی بے فائدہ ہو جائے، زبان سے امان اٹھ جائے، الفاظ کی وضع خاص معانی اور مطالب کے لیے بے کار ہو جائے اور افہام وتفہیم اور تبادلہ خیال جو زبان کا اصل مقصود ہے وہ سخت مشکل بلکہ قریباً ناممکن ہو جائے۔

یہ درست ہے کہ کبھی ایک لفظ بول کر اصل معنی کے علاوہ دوسرا معنی مراد لیتے ہیں، جیسا کہ مجاز میں ہوتا ہے، لیکن وہاں بھی حقیقی اور مجازی معنی میں کوئی ربط اور جوڑ ہوتا ہے، جسے ''علاقہ'' سے تعبیر کرتے ہیں اور اس علاقے کے لیے بھی شرط ہے کہ ''خاص اور مشہور'' معنی میں ہو، ورنہ جہاں لفظ کا مطلب سے کوئی جوڑ نہ ہو، وہاں ایسا بے ربط اور بے جوڑ استعمال درست نہیں۔ بہادر انسان کو شیر کہا جا سکتا ہے، لیکن آسمان بول کر زمین مراد نہیں لی جا سکتی ہے، کیونکہ دونوں میں کوئی جوڑ ہی نہیں ہے۔

فقہاء بھی ہر باب کے تحت خاص الفاظ اور مخصوص کلمات ذکر کرتے ہیں، چنانچہ کتاب النکاح

کے شروع میں نکاح پر دلالت کرنے والے اور بیع کے آغاز میں بیع پر دلالت کرنے والے الفاظ ذکر کیے جاتے ہیں۔ مقصد یہی ہوتا ہے کہ مطلوبہ مقصد کے لیے اس پر دلالت کرنے والے مخصوص کلمات اور خاص تعبیرات کا استعمال ہی ضروری ہے۔ جو شخص بیوی کو ''باپ'' کہتا ہے یا اسے ''یار'' کہہ کر پکارتا ہے یا کہتا ہے کہ ''میں نے تجھ سے شادی ہی نہیں کی'' تو وہ ایسا جملہ استعمال کرتا ہے جس سے طلاق کا مطلب ہی نہیں نکلتا، اس لیے طلاق بھی واقع نہیں ہوتی ہے۔ ایسے موقع پر یہ دلیل بے وزن ہے کہ شوہر نے طلاق کی نیت سے ایسا جملہ استعمال کیا ہے، کیوں کہ جب لفظ میں طلاق کے معنی کی گنجائش نہیں تو نیت سے اس میں طلاق کا مطلب پیدا نہیں کیا جا سکتا۔

ملک العلماء علامہ ابوبکر بن مسعود احمد الکاسانیؒ (المتوفی ۵۷۸ھ) ایک عمومی قاعدے، مسلمہ ضابطے اور فقہی اصول کے انداز میں فرماتے ہیں:

''کل لفظ لایحتمل الطلاق لایقع به الطلاق وإن نوی، مثل قوله: بارک الله علیک، أو أطعمینی، أو اسقینی''۔ (۱۰)

ترجمہ:... ''ہر وہ لفظ جس میں طلاق کا احتمال نہ ہو، اس سے طلاق بھی نہیں ہوتی، اگرچہ شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو، جیسے: ''اللہ تمہیں برکت دے''، ''مجھے کھلاؤ''، ''مجھے پلاؤ''۔

درج ذیل الفاظ اسی قاعدے پر تفریع ہیں:

''اسقینی ونوی الطلاق به، ولو قال: لم أتزوجک ونوی الطلاق لایقع الطلاق بالإجماع... والله ما أنت لی امرأة لایقع الطلاق وإن نوی بالاتفاق''۔ (۱۱)

ترجمہ:... ''مجھے پانی پلا'' اور اس کہنے سے طلاق کی نیت کی، یا اگر طلاق کی نیت سے کہا کہ میں نے تم سے نکاح نہیں کیا تو بالاتفاق طلاق واقع نہ ہوگی... شوہر نے کہا: ''خدا کی قسم تو میری بیوی نہیں ہے'' طلاق نہ ہوگی، اگرچہ طلاق کی نیت سے کہا، اس پر سب کا اتفاق ہے۔''

''ولو قال: لم أتزوجک ونوی الطلاق لایقع الطلاق بالإجماع وکذا إذا قال: ما أنتِ لی بامرأة، أو قال: علی حجة ما أنت لی بامرأة انه لایقع الطلاق وإن نوی بالاتفاق''۔ (۱۲)

''بدائع الصنائع'' کی چند اور قاعدہ نما عبارتیں اور فقاہت بھرے جملے ملاحظہ کیجیے:

''....ویستحیل أن یثبت باللفظ مایمنع ثبوته''۔ (۱۳)

ترجمہ: ''یہ ناممکن ہے کہ لفظ سے ایسا معنی ثابت کیا جائے جس کا لفظ میں امکان ہی نہ ہو۔''

''نوی مالایحتمله لفظه فتبطل نیته''۔ (۱۴)

ترجمہ:... ''لفظ سے کسی ایسے معنی کا ارادہ کیا جس کی لفظ میں گنجائش ہی نہیں

ہے تو اس کی نیت کا اعتبار ہی نہیں ہے۔''

اصولِ فقہ کے مشہور متن ''المنار'' کے شارح ''عز الدین عبد اللطیف بن عبد العزیز بن ملک'' نے دو سطروں میں پوری بحث کی روح اور اس کا عطر کشید کر دیا ہے، اُن کی عبارت کے بعد پھر مزید کسی تفصیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''والأصل أن موجب اللفظ يثبت باللفظ ولايفتقر إلى النية، ومحتمل اللفظ لايثبت إلا إذانوى، ومالايحتمله اللفظ لايثبت وإن نوىٰ''۔ (۱۵)

ترجمہ: ''اصل یہ ہے کہ لفظ کا موجب لفظ سے ہی ثابت ہو جاتا ہے اور نیت کا محتاج نہیں ہوتا ہے اور جس معنیٰ کا لفظ میں احتمال ہو وہ متکلم کی نیت سے ثابت ہوتا ہے اور جس معنیٰ کا لفظ میں احتمال ہی نہ ہو وہ نیت سے بھی ثابت نہیں ہوتا ہے۔''

کتب فقہ وفتاویٰ میں بہت سارے الفاظ کے متعلق قارئین یہ جملہ ملاحظہ فرمائیں گے ''لا يقع وإن نوىٰ'' یعنی نیت کے باوجود اس لفظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی، اس کی وجہ یہی ہوگی کہ لفظ سے طلاق کا مفہوم نکلتا ہی نہ ہوگا۔

حوالہ جات

۱:......أوضح المسالک إلى الفية ابن مالک،باب شرح الكلام،ج ۱/۳۳،ط:دارالكتب العلمية،الطبعة الاولى ۱۴۱۸ھ۔

۲:......الدر المختار مع ردالمحتار،كتاب الطلاق،۳/ ۲۳۰، ط:سعيد۔

۳:......بدائع الصنائع،كتاب الطلاق،فصل فى ركن الطلاق،۳/ ۲۳۰،ط:سعيد۔

۴:......مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح،كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة وأركانها،ص ۱۴۴،ط:مير محمد۔

۵:......الدر المختار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل فى القراءة،ج: ۱،ص: ۵۳۴،ط:سعيد،كراچى۔

۶:......مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح،كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة وأركانها،ص: ۱۴۴،ط:مير محمد۔

۷:......رد المحتار على الدرالمختار،كتاب الطلاق،۳/ ۲۳۰ ط:سعيد۔

۸:...... رد المحتار على الدرالمختار،كتاب الطلاق،باب الصريح، ۳/ ۲۴۷، ط:سعيد۔

۹:......رد المحتار على الدر المختار،كتاب الطلاق، ۳/ ۲۳۰ ط:سعيد۔

۱۰:......بدائع الصنائع،فصل فى طلاق الكتابة، ۳/ ۱۷۲،ط:دار إحياء التراث العربى۔

۱۱:......بدائع الصنائع،كتاب الطلاق،فصل فى طلاق الكتابة، ۳/ ۱۷۱،ط:دار احياء التراث العربى۔

۱۲:......بدائع الصنائع،كتاب الطلاق،فصل،وأما الكناية فنوعان...، ط:سعيد۔

۱۳:......بدائع الصنائع،كتاب الطلاق،فصل،وأما الكناية فنوعان...، ط:سعيد۔

۱۴:......بدائع الصنائع،كتاب الطلاق،فصل فى بيان ألفاظ الطلاق، ۳/ ۱۴۵، ط:دارإحياء التراث العربى۔

۱۵:......شرح منار الأنوارفى أصول الفقه للمولى عبداللطيف الشهيربابن الملک،تحت: الأمر لايقتضى التكرارولايحتمله، ص: ۳۱، ط:دارالكتب العلمية۔

(جاری ہے)